قرآنی نقط و اعراب اور استشراقی تعبیرات و اوہام: ناقدانہ جائزہ

ڈاکٹر محمد فیروز الدین شاہ کھگہ* ڈاکٹر حافظ محمد اجمل**

Abstract

Qur'ānic Diacritical Marks and Dot-System and the Orientalists: A Critical Study

An important entryway of Orientalists for their criticism on *Qur'ānic* textual corpus is its diacritical indications and dot system. The major theme of Orientalists' debate leads towards the myth that variant readings of the *Qur'ān* have been emerged due to lack of vowels and dots in *Qur'ānic* script. In fact, Orientalists' assumption of the *Qur'ānic* script being written without vowels and diacritical marks before and during the reign of the caliph *'Uthmān* actually demonstrates the unawareness about the development of Arabic script. According to Orientalists, the Muslims conceived the variant readings just because the earliest manuscripts were empty of diacritical marks and free from dot system. However, the considerable point is that why we observe that these variants had converged to one single *Qirā'ah* most of the times? The Orientalists' utmost desire is to invoke divergences in *Qur'ānic* text through its established readings. The paper discards the assumptions of Orientalists like Noldeke, Karl Vollers, Paul E Kahle, Goldziher and Arthur Jeffery etc. and establishes the authenticity of variant readings of the *Qur'ān*.

Key Words: Variant Readings; *Qur'ānic* Text; Diacritical System of the *Qur'ān*; Orientalism.

مستشرقین نے متن قرآن سے متعلق مختلف موضوعات جیسے ترتیبِ آیات و سورِ قرآن، جمع و تدوینِ قرآن، اختلافِ قراءات، اور نقط و اعجام وغیرہ پر مختلف پہلوؤں سے کام کیا ہے، قراءاتِ قرآنیہ بھی چونکہ ان اہم موضوعات میں سے ایک ہے جن کا متن قرآنی سے صرف تعلق ہی نہیں بلکہ قراءات متواترہ اور قراءات صحیحہ باقاعدہ قرآن کا درجہ رکھتی ہیں اور ان کی نماز میں تلاوت بھی جائز ہے۔ مستشرقین نے قرآن کریم کو ہدفِ تنقید بنانے کیلئے قراءات قرآنیہ کو دو وجوہ سے بطور خاص موضوع بحث بنایا۔

وجہ اوّل: قراءات کا قرآن سے بڑا مضبوط تعلق ہے۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو حضرت محمد ﷺ کی طرف وحی کیا گیا۔ جب کہ قراءات، وحیٔ قرآنی کے الفاظ میں تغایر کا نام ہے، مثلاً قرآن میں ارشاد ہے: ﴿إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْا﴾۔[1] یہ ایک قراءت ہے اور اس کی دوسری قراءت ﴿اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَثَبَّتُوْا﴾ ہے باوجود تغایر کے دونوں قراءتیں قرآن ہی کی ہیں۔ مستشرقین، ذکر کردہ حقیقت کو ایک منفی طرزِ فکر کے جلوے میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کی رو سے ان کے مطابق قرآنی متن میں ارتقاء کا عمل واقع ہوا اور اس میں عہد بہ عہد تبدیلی واقع ہوتی رہی نیز یہ کہ قرآن، مختلف شکلیں (Versions) بدلتا رہا ہے۔ ان بے سروپا آراء وافکار کے ذریعے استشراقی حلقے مسلم اُمت کا کتاب اللہ

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا
** لیکچرر گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج بورے والہ

سے رشتہ کمزور کرنے کا ہدف حاصل کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔

وجہ ثانی: قراءات کا موضوع ایک خاص موضوع ہے، دینیاتی علوم کے جاننے والے بھی بہت کم اس سے واقف ہیں، اس موضوع کے بارے میں دیارِ اسلامیہ میں عمومی طور پر کم شناسائی پائی جاتی ہے، مسلمانوں میں اس فن کی تخصیص اور اس میں بحث و تحقیق کا رجحان نسبتاً کم رہا ہے، اس صورتحال میں مستشرقین نے اس فن میں مطالعہ و تحقیق اور غور وخوض کو اپنے لئے آسان سمجھا اور سائنٹفک طرزِ تحقیق کے نام پر قرآن کریم میں تصحیف و تحریف کا دروازہ کھولا۔[۲]

تجریدِ مصاحف عثمانیہ اور استشراقی زاویہ نگاہ

مسلمانوں کے نزدیک اس بات میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم قطعی الثبوت تواتر کے ذریعے نقل کیا گیا ہے، جو مصاحف میں بھی لکھا ہوا ہے۔ اسی طرح قرآن کی متواتر قراءات بھی، اس رسم کے مطابق قطعی الثبوت تواتر کے ذریعے منقول ہیں یا بعض قراءات ایسی بھی ہیں کہ جو اگرچہ متواتر تو نہیں ہیں، لیکن صحیح سند کے ساتھ ثقہ راویوں سے منقول ہیں اور قراء کے مابین معروف و مشہور ہیں۔ سیدنا عثمان غنیؓ کے دور میں قرآن کریم کی جمع و تدوین کی جو کوشش کی گئی اس میں مصاحف کو بطور خاص اس مقصد کے تحت بے نقط و اعراب رکھا گیا کہ نبی کریم ﷺ سے جو قراءات منقول ہیں ان کی گنجائش باقی رہے، چنانچہ ایک خاص طرز تحریر اختیار کیا گیا جسے رسم عثمانی کہتے ہیں۔ محقق ابن الجزریؒ تجریدِ مصاحف پر کلام کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے مصاحف کی کتابت کے وقت انہیں نقط و اعراب سے خالی رکھا تاکہ عرضہ اخیرہ کے موقعہ پر نبی کریم ﷺ سے جو صحیح طور پر منقول ہے، اس کی گنجائش باقی رہے اور صورت لفظی کے ایک رہتے ہوئے الفاظ کی دلالت تمام مسموعہ اور منقولہ الفاظ (قراءات) اور ان کے معانی پر باقی رہے۔ نیز حضرت عثمانؓ اور جماعت کتاب نے منسوخ التلاوہ آیات،[۳] عرضہ اخیرہ کے عدم مطابق الفاظ و کلمات،[۴] روایات آحاد و قراءات شاذہ[۵] اور اقوال تفسیریہ[۶] کو شامل کرنے سے گریز کیا۔ نیز عربی کتابت بھی اس وقت تک اپنے مزاج کے اعتبار سے نقط و اعراب سے خالی تھی۔[۷]

چنانچہ مصاحفِ قدیمہ میں رسم اور قراءات کی تبدیلیوں کو اکثر مستشرقین، قرآنی نص میں ارتقاءات کا نام دیتے ہیں، اور قرءات کے وجود میں آنے کا سبب مصاحفِ عثمانیہ کا غیر منقوط اور غیر معرب ہونا گردانتے ہیں، اور اختلاف قراءت سے متعلقہ حدیث کو یا تو سرے سے ذکر ہی نہیں کرتے یا ان کی من مانی تأویل کرتے ہیں اور یا پھر ان کے رواۃ کو مجروح ٹھہرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ معروف استشراقی موقف سیموئل گرین نے اس طرح بیان کیا ہے:

> ... owing to the fact that the kufic script in which the Koran wasoriginally written contained no indication of vowels ordiacritical points, variant readings are recognized by Muslims as of equal authority.[8]

یعنی اس حقیقت کے باوجود کہ ابتدائی کوفی قرآنی مخطوطات اصلاً ہر قسم کے اعراب اور نقطوں سے خالی تھے، مسلمان پھر بھی قراءات کی حیثیت کو برابر تسلیم کرتے ہیں۔

تجریدِ مصاحف، قراءات کا سبب یا قراءات کے باعث تجریدِ مصاحف؟

قراءات کے ضمن میں امت مسلمہ اور مستشرقین کے درمیان اصل وجہِ نزاع، رسم عثمانی اور مصاحف عثمانیہ کا نقط

واعراب سے خالی ہونا ہے، لیکن اس تجرید کا سبب، دونوں کے ہاں مختلف فیہ ہے۔ امت مسلمہ کا مؤقف ہے کہ مصحف کو اس لئے نقط واعراب سے خالی رکھا گیا تھا کہ اس میں تمام مسموعہ، منقولہ اور عرضہ اخیرہ کے موقع پر باقی رکھی گئی قراءات کی گنجائش باقی رہے، جبکہ مستشرقین یہ سمجھتے ہیں کہ مصاحف عثمانیہ کے بے نقط واعراب ہونے کی وجہ سے قراءات وجود میں آئیں۔

بیسویں صدی عیسوی میں جن مستشرقین نے خصوصیت سے متن قرآنی میں ارتقاءات کا نظریہ قائم کیا اور تجرید مصاحف کو قراءات کی وجہ گردانا، ان میں گولڈزیہر (Goldziher)، الفونس منگانا (Alphonse Mingana)، آرتھر جیفری (Arthur Jeffery) اور ڈاکٹر جی آر پیوئن (Dr.G.R.Puin) قابلِ ذکر ہیں۔ ذیل میں ہم مذکورہ مستشرقین کا ایک اجمالی تعارف اور اس ضمن میں ان کے افکار کا جائزہ لیتے ہیں:

تھیوڈور نولڈیکے (Theodor Noldeke)

حلقہ استشراق مین جن لوگوں کو غیر معمولی شہرت ملی اور جنہوں نے استشراقی فکر کو ایک نئی جہت اور رخ دیا ان میں ایک بڑا نام تھیوڈور نولڈیکے (م1931 – 1836) کا ہے جو طبقہ مستشرقین میں "شیخ المستشرقین الالمان" کے لقب سے مشہور ہے۔[۹]

تھیوڈور نولڈیکے کی ولادت ۱۸۳۶ء میں ہربرگ (Harburg) میں ایک علمی پس منظر والے گھرانہ میں ہوئی۔ یونانی اور لاطینی زبانیں اپنے والد سے سیکھیں اور پھر مزید زبانیں سیکھنے کیلئے گوٹنجٹن کالج (Gottingen College) میں داخل ہوا اور تین سامی زبانوں، عبرانی، سریانی اور عربی پر عبور حاصل کیا۔[۱۰]

نقط واعراب مصحف اور نولڈیکے کے نظریات

مصاحف کے نقط واعراب کے بارے میں نولڈیکے کا نظریہ یہی ہے کہ مصاحف عثمانیہ نقط واعراب سے خالی تھے۔ البتہ گولڈ زیہر اور آرتھر جیفری کی طرح نولڈیکے بھی مصاحف کے نقط واعراب سے خالی ہونے کو مختلف قراءات کے وجود میں آنے کا ذریعہ خیال کرتا ہے۔[۱۱]

نولڈیکے نے اپنی کتاب "تاریخ القرآن" میں "نص قرآنی میں ضبط کتابت کے اہم خصائص" کے تحت اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے،[۱۲] اور قرآن کریم میں اختلاف قراءت کے پیش نظر جو خاص طریقہ کتابت اختیار کیا گیا تھا اور بعد میں اسے "رسم عثمانی" کے اصطلاحی نام سے موسوم کیا گیا، جس کے تحت بعض مقامات پر اختلاف قراءت کی رعایت رکھتے ہوئے ایک ہی کلمہ کو مختلف مقامات پر مختلف انداز سے لکھا گیا ہے، کو اپنے اس نظریہ کے ثبوت کیلئے بطور امثلہ ذکر کیا ہے۔ اور اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے رسم عثمانی میں کسی طے شدہ اصول کی پابندی نہیں کی گئی۔[۱۳] نولڈیکے کی ذکر کی گئی بعض امثلہ کو ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ قرآن کریم میں لفظ "مما" عموماً یوں لکھا ہے ﴿مِمَّا﴾ لیکن تین مقامات پر یوں لکھا گیا ہے ﴿مِنْ مَّا﴾ جیسے: ﴿وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ﴾[۱۴]

۲۔ لفظ ﴿عما﴾ عموماً یوں لکھا گیا ہے، ﴿عَمَّا﴾ لیکن سورۃ الاعراف میں یوں مکتوب ہے ﴿عَنْ مَّا﴾، آیت مبارکہ یوں ہے: ﴿فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ﴾[۱۵]

مستشرقین میں سے نولڈیکے ہی وہ پہلا شخص ہے، جس نے قرآن کریم پر نص کے حوالے سے اعتراضات کا باقاعدہ اور رسمی طور پر آغاز کیا۔[۱۶] پہلی بات تو یہ ہے کہ نولڈیکے، کے اسی نظریہ کی تردید خود اسی کی پیش کردہ مثالوں سے ہو رہی ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک لفظ، قرآن کریم میں ایک انداز سے لکھا گیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ دوسری جگہ وہ اس انداز سے مذکور نہیں، کسی دوسرے طریقے سے لکھا گیا ہے، یقیناً دوسری جگہ کسی اور انداز تحریر اختیار کرنے کی یہی وجہ تھی کہ وہاں کوئی دوسری قراءت بھی مذکور تھی جس کا لحاظ کرتے ہوئے دوسری طرز کتابت کو اپنایا گیا ہے۔

نولڈیکے کا یہ کہنا کہ رسم عثمانی میں کسی طے شدہ قانون یا ضابطے کی پابندی نہیں کی گئی، درست نہیں، اس کیلئے باقاعدہ اصول وضع کیے گئے تھے، ان اصولوں میں سے ہی بنیادی اصول یہ تھا کہ جہاں ایک سے زیادہ قراءات ہوں گی، وہاں ایسا طرز کتابت اختیار کیا جائے جس میں تمام متواتر، صحیح قراءتوں کی گنجائش موجود ہو گی۔ رسم المصحف پر باقاعدہ کتب موجود ہیں جن میں رسم کے اصول و قواعد کا ذکر ہے۔

کارل ووللرز (Karl Vollers)

کارل ووللرز مستشرقین میں ایک اہم نام ہے جو نقط و اعراب قرآن کے حوالے سے دیگر مستشرقین، (گولڈ زیہر، آرتھر جیفری اور نولڈیکے وغیرہ) سے الگ نقطہ نظر رکھتا ہے۔ کارل وولرز ایک جرمن مستشرق ہے جو ۱۹ مارچ ۱۸۵۷ء کو جرمنی میں پیدا ہوا۔ برلن (Berlin) اور سٹراسبرگ (Strassburg) جامعات میں لغات شرقیہ کا علم حاصل کیا۔ ۱۸۸۲ء میں پی ایچ ڈی کے بعد رائل لائبریری برلن میں اسسٹنٹ لائبریرین کے طور پر کام کیا۔ ۱۸۸۶ء میں آپ مصر کی خدیوی لائبریری (Khedival Library) میں بطور ڈائریکٹر متعین ہوئے۔ یہاں مصر کی معاصر عربی زبانوں کے ماہر کی حیثیت سے شہرت حاصل کی اور ان پر مضامین لکھے۔

۱۸۹۶ء میں آپ نے جرمنی واپسی اختیار کی اور جینا یونیورسٹی (Jena University) کے شعبہ فلسفہ میں مشرقی زبانوں کے پروفیسر اور "Grand Ducal Oriental Coin Cabinet Jena" کے ڈائریکٹر کے طور پر خدمات سر انجام دیں۔ ۱۸۹۸ء میں اپنی کتاب "Volksprache und Schriftsprache im alten Arabien" کے حوالے سے دیگر مستشرقین کے ساتھ شخصی اختلافات پیدا ہونے کے بعد ۱۹۰۸ء میں یونیورسٹی سے علیحدگی اختیار کر لی اور جلد ہی وفات پا گئے۔[۱۷]

تعجیم وتنقیط قرآن سے متعلق کارل ووللرز (Karl Vollers) کے نظریات

تعجیم وتنقیط قرآن کریم سے متعلق کارل ووللرز (Karl Vollers) کا نظریہ یہ ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے دور میں ہی قرآن کریم پر اعراب موجود تھے۔ ڈاکٹر رمضان عبد التواب کارل ووللرز (Karl Vollers) کے نظریات کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ان میں سے ایک نام کارل فوللرس کا ہے، جن کی یہ رائے ہے کہ قرآن کریم کا نص اصلی، عربوں کے قومی لہجات میں سے ایک لہجے میں لکھی گئی، جو اس وقت حجاز میں متداول تھے، اور ان پر نقط و اعراب نہیں تھے۔ نقط و اعراب والی عربی، جو آج کل متداول ہے، کی طرف عربی زبان بعد میں منتقل ہوئی"۔[۱۸]

پاؤل کالے (Paul E Kahle 1875-1964)

پاؤل کالے بھی جرمن مستشرق ہے، جو ۲۱ جنوری ۱۸۷۵ء کو جرمنی کے شہر ہینسٹائن (Hohenstein) میں پیدا ہوا، ماربورج،

ہالہ اور برلن یونیورسٹیوں سے لغات شرقیہ کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۹۸ء میں ڈاکٹریٹ اور ۱۹۰۸ء تا ۱۹۱۸ء کے درمیان مصر میں "فلسفہ سامیہ" کی تعلیم حاصل کی۔۱۹۱۸ء میں گیبن یونیورسٹی Gießen میں پروفیسر کے طور پر تعینات ہوئے،اس عہدے پر پہلے فریڈرک شوالے (Friedrich Schwally) کام کر رہا تھا۔۱۹۲۳ء میں بون یونیورسٹی(Bonn University)منتقل ہوئے جہاں شعبہ لغات شرقیہ میں چینی و جاپانی زبانوں کی کلاسز کا اضافہ کر کے اسے وسعت دی۔ ۱۹۳۹ء میں کالے (Kahle) کو بون یونیورسٹی سے اس بناء پر فارغ کر دیا گیا کہ انھوں نے ایک پولش راہب(Polish rabbi) کو اپنا اسسٹنٹ رکھا ہوا تھا، چنانچہ وہ انگلینڈ کی آکسفورڈ یونیورسٹی(University of Oxford) منتقل ہو گیا۔جنگ عظیم کے بعد کالے جرمنی واپس آ گیا اور ۲۴ ستمبر ۱۹۶۴ء کو انتقال ہوا۔[۱۹]

نقط واعرابِ قرآنی کے حوالے سے پاؤل کالے(Paul E Kahle) کے نظریات

مستشرقین کے عمومی نظریہ کے برعکس پاؤل کالے(Paul E Kahle)اس نظریہ کا قائل ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد جلد ہی قرآن کریم مدون کر لیا گیا تھا اور نص قرآنی سیدنا عثمانؓ کے دور میں اپنے نقط و اعراب وغیرہ کے اعتبار سے تکمیلی شکل اختیار کر چکا تھا۔ڈاکٹر رمضان عبد التواب پاؤل کالے(Paul E Kahle) کی کتاب "الذخائر القاہریۃ" کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

> آپ ﷺ کی وفات کے تھوڑی مدت بعد ہی قرآن کو سنہ ۶۳۲ء میں جمع کیا گیا اور اس نے اپنی آخری شکل خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفان کے عہد خلافت (۶۵۵-۶۳۳ء) میں لی۔ اس وقت ایک مشکل در پیش ہوئی اور وہ یہ کہ قرآن کی تلاوت کیسے کی جائے۔ آپ ﷺ کا — وہاں کے اکثر رہنے والوں کی طرح عربی قبیلے قریش سے تعلق تھا اور جو زبان آپ ﷺ بولتے تھے وہ ان لوگوں کی بولی تھی جو مکہ میں پلے بڑھے۔اور قرآن کا اعراب سے خالی نص اس عربی زبان کے مخالف تھا جو مکہ میں بولی جاتی تھی۔ نیز عرب لوگ بدوی عربی کو ہی معیاری زبان کی حیثیت سے تسلیم کرتے تھے اور یہی وہ زبان تھی جس میں جاہلی عربی اشعار نظم کئے گئے اور ہر عربی شخص اسی کے گن گاتا تھا۔[۲۰]

چونکہ اللہ کے کلام کا کسی بھی بھی ایسی لغت میں پڑھنا درست نہیں جو کہ مرتبہ و مقام کے اعتبار سے کسی بھی دوسری زبان سے کم ہو اسلئے اس زمانہ میں اسلامی سلطنت کے اہم صوبوں، کوفہ، بصرہ، مکہ اور مدینہ وغیرہ میں زمانہ جاہلیت کے بدوی شعری ادب کی تدریس کا سلسلہ شروع ہوا، ان علاقوں کے اہم اور ذہین لوگ اپنے اپنے ہمسائے میں واقع دیہاتی علاقوں میں گئے اور اشعار، حکایات اور چھوٹی چھوٹی جنگی نوعیت کی جھڑپوں کے واقعات جمع کیے جو کہ ایام العرب کے نام سے معروف تھے۔ پھر اسی مواد کو بنیاد بناتے ہوئے لغت قرآن کی تدوین کی گئی۔[۲۱] کارل وولرز نے اپنے نظریہ کی بنیاد بھی اسی نظریے پر رکھی ہے۔ پاؤل کالے (Paul E Kahle) محض شک اور گمان کی بنیاد پر لکھتا ہے کہ یہ ایک تدریجی عمل کا نتیجہ ہے۔کتب قراءات میں ان کا تذکرہ عموماً مفقود ہے، اس تدریجی عمل کی بنیادوں کے بارے میں تفصیلات یا تو ضائع ہو گئیں، یا نظر انداز کر دی

گئیں۔ اگر وہ کہیں میسر ہوں تو ان کی تاریخ کے بارے میں معلومات میسر آسکتی ہیں۔[۲۲]

پاؤل کالے کے نظریے کی بنیاد

ڈاکٹر رمضان عبد التواب لکھتے ہیں کہ پاؤل کالے کے اس نظریہ کی بنیاد فراء کے ایک مخطوطے کی عبارت پر ہے جو چیسٹر بیٹی لائبریری (Chester Betty) لائبریری کے مجموعہ مخطوطات میں موجود ہے اور اس کا نمبر ۷۰۵ ہے۔ فراءؒ لکھتے ہیں کہ ہم نے قرآن وسنت کا علم جاننے والے اہل فصاحت قراء کو دیکھا ہے، اور ان کا اس بات پر اجتماع ہے کہ قرآن کریم کا نزول فصیح ترین لغت پر ہوا ہے۔ اس پر وہ لوگ، جن کی نظر جاہلیت کے اشعار اور ایام العرب کے واقعات پر تھی، معترض ہوئے کہ قرآن کریم کی فضیلت تو اس کی ذاتی فضیلت ہے کیونکہ اللہ تعالی نے اس کی فضیلت کو لازمی کی ہے۔ لیکن جب ہم فصاحت کی طرف دیکھتے ہیں تو ہم اسے "اہل بادیہ" (دیہاتی) لوگوں کے ہاں پاتے ہیں۔ اور اس میں بھی ان کا اختلاف ہے۔ اہل کوفہ کہتے ہیں کہ فصاحت بنو اسد میں ہے کیونکہ وہ اہل بادیہ کے جوار میں ہیں۔ اہل بصرہ کہتے ہیں کہ فصاحت اہل تمیم کے بالائی اور قبیلہ قیس کے زیریں علاقوں کے قبائل عکل اور عقیل میں ہے۔ اہل مدینہ کہتے ہیں کہ فصاحت بنو غطفان میں ہے کیونکہ وہ ان کے پڑوسی ہیں۔ جبکہ اہل مکہ کہتے ہیں کہ فصاحت بنو کنانہ بن سعد بن ابی بکر اور بنو ثقیف میں ہے۔ پس ہم نے یہ پسند کیا کہ آثار اور قیاس سے لغت قریش کی تمام دیگر لغات پر فضیلت کو ثابت کریں۔ امام فراء کہتے ہیں کہ عمر بن الخطابؓ نے ایک آدمی کو ﴿حَتَّى حِينٍ﴾ کی جگہ ﴿عَتَّى حِينٍ﴾ پڑھتے سنا۔ آپؓ نے پوچھا: تجھے ایسا کس نے پڑھایا؟ اس نے کہا حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو لکھا کہ "قرآن تو لغت قریش پر نازل ہوا، نہ کہ لغت ہذیل پر۔ پس لوگوں کو لغت قریش پر پڑھائیں، نہ یہ کہ لغت ہذیل پر"۔ ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں: "بے شک قرآن کریم پر اعراب لگانا مجھے اس کے بعض حروف کے حفظ سے بھی زیادہ پسند ہے"۔ عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ "قرآن کو عمدہ کر کے پڑھو، اسے حسن صوت سے مزین کرو، اور عربی انداز میں پڑھو کیونکہ اللہ تعالی عربیت کو بہت پسند کرتے ہیں"۔ کالے نے ابو بکر صدیقؓ کے اسی قول کے کلمہ "اعراب" کو بنیاد بنا کر کہا ہے کہ ابو بکر صدیقؓ کی مراد کلمہ کے آخر کے اعراب مراد ہیں اور یہی فصیح عربی سے مطابقت بھی رکھتے ہیں۔ لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی کہا کہ قراءت قرآن کے بارے میں اعراب کا بہت زور وشور سے مطالبہ کرنا بظاہر معقول نہیں، سوائے اس صورت کے کہ اگر قرآن کریم فی الوقع بھی بغیر اعراب کے پڑھا جاتا ہو۔ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کا یہ فرمانا کہ: "ان اعراب القرآن لأحبّ إليّ من حفظ بعض حروفه" سے مراد وہ اعراب ہیں جو آنے والے وقتوں میں لغت صحیحہ کی ظاہری خصوصیات میں سے شمار ہوں گے۔[۲۳]

پاؤل کالے کی اس ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ لغت عرب نبی کریم ﷺ کے دور میں ہی اپنے کمال کو پہنچ گئی تھی اور اس کمال کے مظاہر عربی شاعری اور بدوانہ زندگی میں عام تھے۔ مسلمانوں نے قرآن کریم کا ایسی لغت میں پڑھنا مناسب نہ سمجھا جو کسی بھی اعتبار سے کسی دوسری لغت سے کم تر ہو۔ چنانچہ انہوں نے ارد گرد کے دیہاتی (بدو) قبائل میں جا کر، اشعار اور ایام العرب کے واقعات جو فصیح عربی زبان میں تحریر تھے اکٹھا کیا اور اس پر تدوین قرآن کی بنیاد رکھی، لیکن اس سارے عمل کے شواہد یا تو مٹ گئے یا مٹا دیے گئے۔ اس سارے نظریے کی بنیاد حضرت ابو بکر صدیقؓ کی طرف منسوب اس قول پر ہے

کہ: "ان اعراب القرآن لأحبّ إليّ من حفظ بعض حروفه" [۲۴] تاہم ہمارے نزدیک پاؤل کالے کا یہ نظریہ بلکہ مفروضہ کئی اعتبار سے درست نہیں، چند وجوہات حسب ذیل ہیں:

- کالے نے محض ظن اور گمان کی بناء پر یہ نظریہ گھڑا، عربی زبان کی فصیح ترین شکل، اشعار اور بدوی تحریر و واقعات میں تھی، اور مسلمانوں نے مختلف بدوی قبائل میں جا کر ان اشعار اور واقعات کا تجزیہ کر کے تدوین قرآن کی بنیاد ان پر رکھی۔ اور اس سارے عمل کے بارے میں کہہ دیا کہ اس کے آثار یا تو مٹ گئے یا مٹا دیے گئے۔

- جہاں تک عرب قبائل کی طرف فصاحت و بلاغت کو منسوب کرنے کا تعلق ہے، تو اس بات میں کوئی شک نہیں، یقیناً عربی ادب اور زبان دانی کے اصل مراکز دیہاتی قبائل ہی تھے، اسی لئے عرب اپنے بچوں کو فصیح زبان سیکھنے کیلئے دیہاتوں میں ہی بھیجتے تھے۔ خود نبی کریم ﷺ کو بھی کھلی آب و ہوا میں پرورش پانے اور فصیح زبان سیکھنے کیلئے قبیلہ بنو سعد بھیجا گیا تھا، لیکن اس سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ قرآن کریم کے مقابلے میں بھی ان بدوی قبائل کی زبان زیادہ فصیح تھی؟ ایسا نہیں تھا بلکہ قرآن کی زبان ان قبائل سے زیادہ فصیح تھی۔ جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ جب بھی کوئی عمدہ کلام لکھتا تو اس کو خانہ کعبہ میں لٹکا دیتا، تاوقتیکہ کوئی اس سے بھی بہتر کلام لکھا جاتا۔ اور روایات میں یہ بات موجود ہے کہ جب سورۃ الکوثر کی آیات کو نزول ہوا تو اس وقت کے لکھے ہوئے کلام کو اتار دیا گیا تھا، اور اس کی جگہ سورۃ الکوثر کو لکھ کر لٹکایا گیا، پھر کسی کو اس کے مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی۔

- قرآن کریم نے بار بار یہ چیلنج کیا کہ اس کی مثال اگر جن و انس میں سے کوئی لا سکتا ہے تو لے کر آئے، اس ضمن میں کئی بار چیلنج کیا گیا اور ہر مرتبہ چیلنج میں تخفیف کی جاتی رہی۔

- یہ چیلنج صرف شہر والوں کیلئے ہی نہیں، دیہات والوں کیلئے بھی تھا، بلکہ عرب کیلئے ہی نہیں، ان کے دوست اور حمایتی جو پوری دنیا میں پھیلے ہوئے تھے، سب کیلئے تھا۔ پھر صرف انسانوں کیلئے ہی نہیں پوری کائنات کے جنات بھی اس میں شامل تھے۔ ان دلائل کے ہوتے ہوئے کیسے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ قرآن کے مقابلہ میں جاہلی ادب زیادہ فصیح و بلیغ تھا۔

- پھر عرب کے رؤساء جو قرآن کریم کو (نعوذ باللہ) جادوگر، کاہن کا کلام کہہ لوگوں کو اس سے دور رہنے کی تلقین کرتے تھے، ان کا اپنا حال یہ تھا کہ چھپ چھپ کر تلاوت قرآن سنا کرتے تھے اور اس کی تاثیر کے معترف بھی تھے۔

- کالے کا یہ نظریہ تدوین قرآن کی تمام روایات کے بھی خلاف ہے۔

- اگر نقط و اعراب ہی فصیح زبان کی علامت تھے، اور بقول کالے، حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور میں یہ کام کر لیا گیا تھا، تو کیا وجہ تھی کہ اس فصاحت و بلاغت کی وجہ کو حضرت عثمان غنیؓ نے ترک کر دیا تھا۔ کیونکہ مصحف عثمانی کے نقط و اعراب سے خالی ہونے کو مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم بھی تسلیم کرتے ہیں۔

- کالے کے اس نظریے کی تردید دور قدیم کے نقوش اور عبارتوں سے بھی ہوتی ہے، جو نقط و اعراب سے خالی ہیں۔ چند ایک نقوش میں اگرچہ اعراب کا تذکرہ ملتا ہے، تاہم وہ بھی اپنی موجودہ شکل میں نہیں، بلکہ لفظی اعراب کے ساتھ ہے۔ جبکہ نقطوں کا وجود تو سرے سے تھا ہی نہیں۔

- دور قدیم تو دور کی بات موجودہ دور، جو ترقی یافتہ دور کہلاتا ہے، آج بھی عربی زبان کو غیر معرب لکھنے کا ہی رواج ہے۔

- یہ کیسے مان لیا جائے کہ صحابہ کرامؓ جو قرآن کریم کے حوالے سے بہت محتاط تھے، جس کا اظہار تدوین قرآن کی روایات سے بھی ہوتا ہے، انہوں نے اس چیز کو آسانی سے قبول کر لیا، اور طرفہ تماشہ یہ کہ وہی روایتیں ضائع ہوئیں جن پر کالے کے نظریے کی بنیاد ہے۔ اس سے پہلے اور بعد کی روایات پوری طرح محفوظ رہیں۔

- پاؤل کالے نے ابو بکر صدیقؓ کے قول کا جو مفہوم مراد لیتے ہوئے، اس پر اپنے نظریے کی بنیاد پر رکھی، وہ درست نہیں۔ کیونکہ اعراب اپنے اصطلاحی معنوں میں ابو بکر صدیقؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے دور تک معروف نہیں تھا۔ اعراب القرآن سے آپؓ کی مراد قراءتِ قرآن میں حروف وکلمات کو واضح کر کے پڑھنا ہے۔ ڈاکٹر رمضان عبد التواب بھی کالے کی اسی بات کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "وہ اپنے اخذ کردہ نتائج میں خطا پر ہے، کیونکہ اعراب اپنے اصطلاحی معنی میں ابو بکر صدیقؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے دور تک معروف نہ تھے، اور اعراب القرآن سے مراد قراءت کو واضح کر کے پڑھنا مراد لیا جاتا تھا"۔[۲۵]

واضح رہے کہ پاؤل کالے کے اس نظریے کو قبول کرنے سے صرف مسلمان ہی نہیں، مستشرقین بھی انکاری ہیں، چنانچہ نولڈیکے، اپنے ایک مقالے بعنوان ملاحظات علی لغة العرب القدامی[۲۶] کالے کے اس نظریے کے رد میں لکھتا ہے:

> یہ بات عقل سے بالا ہے کہ محمد ﷺ قرآن کریم میں ایسی لغت کا استعمال کرتے جو اس دور میں مکہ مکرمہ کی عام لغت کے بالکل مخالف ہوتی، اور یہ کہ آپ ﷺ اعراب پر اس قدر توجہ دیتے، جبکہ آپ ﷺ کی قوم اپنی لغت میں اعراب کا استعمال بھی نہیں کرتی تھی۔ اور یہ کہ اس وقت اشعار، لغت بادیہ (دیہاتی / بدوی) میں ضرب المثل تھے، اور یہ کہ یہ نہ صرف اس وقت بلکہ بعد میں بھی ایک طویل عرصہ تک ان کے طرز تکلم کا حصہ رہے، اور اس میں ذرا بھی تبدیلی نہ ہوئی۔ شاعری کی زبان عوامی زبان سے ذرا مختلف ضرور تھی، البتہ شاعروں کو قدیم عربی لغویوں کے برعکس، وزن شعری اور اسلوب شاعری برقرار رکھنے کیلئے بہت دور دراز کی خارجی تعبیرات نہیں لانی پڑتی تھیں، جو معمول سے ہٹ کر ہوں، جس طرح ان لغویوں کو بہت سے امور میں ایسی چیزوں سے واسطہ پڑا۔[۲۷]

نولڈیکے کی رائے میں محمد ﷺ کے دور کی عوامی زبان میں اعراب کی غیر موجودگی کا اعتقاد رکھنا ایک بہت بڑی خطاء ہے، کیونکہ ہارون الرشید کے زمانے میں علماء کی ایک جماعت نے بدوؤں کے ہاں اعراب کی تفصیلی معلومات کو پایا تھا۔ البتہ آج کل جو عام نقطہ نظر ہے کہ غیر معرب الفاظ وکلمات کا سننا کانوں پر گراں ہوتا ہے، تو اسی چیز کو سامنے رکھتے ہوئے بعض شعراء نے اتصال کلام کے وقت، خصوصا مضارع کے صیغوں پر اعراب لگانے کی سعی کی، کیونکہ یہ عموما وزن شعری سے مناسبت نہیں رکھتے۔[۲۸] نولڈیکے اپنی دوسری کتاب "مقالات جديدة فی علم اللغات السامية" کی فصل "لغة القرآن" میں لکھتا ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ یا آپ ﷺ کے معاصر مؤمنین میں سے کوئی قرآن کریم کو بغیر اعراب پڑھتا تو ان روایات کا ضائع ہو جانا ممکن نہیں تھا، چہ جائے کہ ہمارے لئے اس میں سے کچھ آثار باقی بچتے۔[۲۹]

کارل وولرز (Karl Vollers) کے نظریات کے بارے میں نولڈیکے اپنی کتاب "لغة الكتابة واللغة الشعبية في بلاد العرب قديما" میں لکھتا ہے: "قرآن کریم کا اصلی نص حجاز میں پھیلے کسی لہجے میں تھا جو اعراب سے خالی تھا۔ اور وولرز نے یہ

بات پھیلائی کہ قرآن پہلے پہل عام قریش کی زبان میں تھا اور پھر اسے عربی زبان کے زمانۂ عروج میں فصیح عربی زبان کے اصول وضوابط کے مطابق بدلا اور مہذب بنایا گیا"۔[۳۰]

مذکورہ بحث سے پتہ چلا کہ پاؤل کالے (Paul E Kahle) اور کارل وواللرز (Karl Vollers) کا نظریہ بے بنیاد اور محض ظن وگمان پر مبنی ہے۔ یہ حقائق سے نظریں چرانے کے مترادف اور مستشرقین کے روایتی تعصب کی بدترین مثال ہے، جو کہ نہ صرف مسلمانوں کے نظریات کے خلاف ہے بلکہ خود مستشرقین بھی اسے ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں۔

اجناس گولڈزیہر اور تعجیم وتنقیط مصاحف عثمانیہ

اجناس گولڈزیہر (م ۱۹۲۱ء) مستشرقین کے اس طبقہ سے تعلق رکھتا ہے جس نے اسلامی شریعت اور اس کے بنیادی مصادر کو اپنی تنقید کا خصوصی مرکز بنایا۔ گولڈزیہر نے جرمن، انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں کتب تصنیف کیں جن کا تعلق اسلامی فرقوں کی تاریخ، فقہ، عربی ادب اور علومِ قرآنیہ سے تھا۔[۳۱] اس نے اپنی زندگی کے کئی سال اِسلامی موضوعات کی تحقیق وتفتیش میں گذارے، متعدد موضوعات پر قلم اٹھایا اور مغرب میں، مذہب اسلام اور اس کے قوانین کے حوالے سے شہرت تامہ حاصل کی۔ مختصر عرصہ میں اس کی تالیفات وتعلیقات اور ابحاث ومقالات کی اچھی خاصی فہرست منظرِ عام پر آگئی۔[۳۲]

بہت سے دیگر مستشرقین کی طرح، نقط واعرابِ مصحف کے بارے میں گولڈزیہر کا بھی یہی نظریہ ہے کہ مصاحف عثمانیہ کا نقط واعراب سے خالی ہونا، اختلاف قراءات کا باعث بنا۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب مذاہب التفسیر الاسلامی میں لکھتا ہے:

> وترجع نشأة قسم كبير من هذه الاختلافات الى خصوصية الخط العربي، الذي يقدم هيكله المرسوم مقادير صوتية مختلفة، تبعا لاختلاف النقاط الموضوعة فوق هذا الهيكل أو تحته، وعدد تلك النقاط. بل كذلك في حالة تساوي المقادير الصوتية، يدعو اختلاف الحركات الذي لا يوجد في الكتابة العربية الاصلية ما يحدده، الى اختلاف مواقع الاعراب للكلمة، وبهذا الى اختلاف دلالتها. واذا فاختلاف تحلية هيكل الرسم بالنقط، واختلاف الحركات فى المحصول الموحد القالب من الحروف الصامتة، كانا هما السبب الأول في النشأة حركة اختلاف القراءات فى نص لم يكن منقوطا اصلا، او لم تتحر الدقة فى نقطه او تحريكه.[۳۳]

مذکورہ عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ اختلاف قراءات کے بارے میں گولڈزیہر نے عربی زبان کے بے نقط واعراب ہونے کو بنیاد بنایا اور اس سے استدلال کرتے ہوئے اختلاف قراءات کے دو اسباب ذکر کیے ہیں:

۱۔ عبارت کا نقطوں سے خالی ہونا ۲۔ عبارت کا اعراب سے خالی ہونا

گولڈزیہر نے اپنی اس رائے، جو زعم باطل اور صریح خطاء کے سوا کچھ نہیں، کے ذریعے مسلمانوں کی مقدس ترین کتاب قرآن کریم سے ایمان متزلزل کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اور وہ اس بات کو ثابت کرنا چاہتا ہے کہ قرآن کریم اپنی حفاظت وصیانت الفاظ، قراءات اور طرق اداء کے اعتبار سے کوئی محفوظ اور محقق کتاب نہیں۔ یہ صرف زعم باطل ہی نہیں بلکہ تاریخی حقائق سے بھی آنکھیں چرانے کے مترادف ہے۔

اختلاف قراءت کی بنیاد عربی رسم الخط نہیں بلکہ قراءات باقاعدہ منزل من اللہ ہیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت: "أن رسول الله ﷺ قال أقرأني جبريل على حرف فراجعته فلم أزل أستزيده ويزيدني حتى انتهى إلى سبعة أحرف"۔[۳۴] اختلاف قراءت ہی کی وجہ سے ایسا رسم الخط اختیار کیا گیا جس میں، تمام متواتر قراءات کی گنجائش موجود تھی، اور وہ نقط واعراب سے معری تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان تمام مصاحف کے ساتھ ایک ایک قاری بھی بھیجا، جو اس شہر والوں کو اس مصحف کے رسم کے مطابق صحیح اور متواتر قراءات کی تعلیم دے۔ زید بن ثابتؓ کو حکم دیا گیا کہ وہ اہل مدینہ کو مدنی مصحف کے مطابق قرآن پڑھائیں۔ عبد اللہ بن السائبؓ کو اس کام کے لئے مکہ بھیجا گیا۔ مغیرہ بن ابی شہاب کو شام، ابو عبد الرحمن السلمیؒ کو کوفہ اور حضرت عامرؓ کو بصرہ روانہ کیا گیا۔ ان قراء نے اپنے اپنے علاقوں میں اسی قراءت کے مطابق پڑھایا جو نبی کریم ﷺ سے بطریق تواتر ثابت تھیں اور رسم میں بھی ان کی گنجائش موجود تھی۔ اگر صرف رسم پر ہی انحصار کافی ہوتا تو ان قراء کو بھیجنے کا کیا مقصد تھا۔ جس کا جیسے دل کرتا اور رسم اس کی اجازت دیتا تو وہ ویسے ہی پڑھ لیتا۔ قراء کا بھیجنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرآن کریم (اختلاف قراءت) کی نقل میں بنیاد، تلقی، نقل اور روایت ہے، نہ کہ کتابت اور رسم الخط۔[۳۵]

قرآن کریم میں کئی ایسے مقامات ہیں جہاں تمام قراء سے صرف ایک ہی قراءت منقول ہے حالانکہ رسم و قراءات میں اس کی گنجائش بھی موجود ہے، لیکن کسی نے بھی اس کے خلاف نہیں پڑھا۔ مثلاً: سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے: ﴿وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾[۳۶] یہاں ایک قرأت وَلَا يُقْبَلُ (یاء کے ساتھ) ہے اور ایک قراءت ﴿وَلَا تُقْبَلُ﴾ (تاء کے ساتھ) ہے۔ لیکن اسی قسم کی ایک آیت سورۃ بقرہ میں ایک دوسری جگہ ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے: ﴿وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾۔[۳۷] یہاں ﴿لَا تَنْفَعُهَا﴾ صرف تاء کے ساتھ آیا ہے ﴿لَا يَنْفَعُهَا﴾ (یاء کے ساتھ) کوئی قراءت نہیں ہے۔ حالانکہ رسم عثمانی میں ﴿لَا يَنْفَعُهَا﴾ کی بھی گنجائش ہے کیونکہ مصاحف میں یہ بلا نقط لکھا ہوا ہے، اور عربی زبان کے قواعد میں بھی یاء اور تاء دونوں کی گنجائش موجود تھی، لیکن چونکہ یہ قراءت آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں تھی، اس لئے اس کو کسی نے بھی اختیار نہیں کیا۔

اسی طرح سورۃ یسین میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾[۳۸] یہاں ایک قراءت میں ﴿فَيَكُوْنُ﴾ (نون پر پیش کے ساتھ) آئی ہے اور دوسری قراءت میں ﴿فَيَكُوْنَ﴾ (نون پر زبر کے ساتھ) کے ساتھ۔ لیکن اسی طرح کی ایک آیت سورۃ آل عمران میں ہے: ﴿اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾[۳۹] یہاں صرف ایک ہی قراءت (نون پر پیش) ہے۔ دوسری قراءت رسم الخط میں گنجائش کے باوجود کسی نے اختیار نہیں کی۔[۴۰] یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ قراءات کی بنیاد مصاحف کا غیر منقوط یا غیر معرب ہونا نہیں بلکہ ان کی بنیاد سماع اور سند ہے جو نبی کریم ﷺ تک متصل اور متواتر ہو۔

لفظ ﴿ملك﴾ قرآن کریم میں تین جگہ مذکور ہے۔ سورۃ فاتحہ میں ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾[۴۱] سورۃ آل عمران میں ﴿مٰلِكَ الْمُلْكِ﴾[۴۲] اور سورۃ الناس میں ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾[۴۳] سورۃ فاتحہ میں دونوں قراءات ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ اور ﴿مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ موجود ہیں لیکن ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ میں کسی نے بھی ﴿مٰلِكِ النَّاسِ﴾ نہیں پڑھا، حالانکہ رسم میں اس کی گنجائش موجود

ہے۔ اسی طرح سورۃ آل عمران میں سب ﴿مٰلِكَ الْمُلْكِ﴾ ہی پڑھتے ہیں، حالانکہ رسم میں ﴿مَلِكَ الْمُلْكِ﴾ کی بھی گنجائش ہے۔ قراء کو ان مقامات پر ایک ہی طریقے سے پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ قراءات کا اختلاف رسم کے نقط و اعجام سے خالی ہونے کی وجہ سے پیدا نہیں ہوا بلکہ یہ منقول ہے اور سنداً ہم تک ایسے ہی پہنچا ہے۔[۴۴]

سورۃ بنی اسرائیل کی آیت: ﴿وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَي النَّاسِ عَلٰي مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا﴾[۴۵] میں قراء کا اجماع ہے کہ لفظ ﴿مُكْثٍ﴾ ہمیشہ میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، حالانکہ، لغت اور رسم میں فتحہ اور کسرہ کے ساتھ پڑھنے کی بھی گنجائش ہے۔ جبکہ قراء اربعہ عشرہ میں سے کسی نے اسے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ نہیں پڑھا۔[۴۶]

سورۃ البقرۃ کے آغاز میں ہی ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾[۴۷] میں کسی سے ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا زَيْتَ فِيْهِ﴾ منقول نہیں، اسی طرح سورۃ الحدید میں ﴿وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾[۴۸] میں ﴿وَلِلّٰهِ مِيْزَابُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کا احتمال موجود ہے لیکن کسی امام سے تواتر کے ساتھ ایسا منقول نہیں۔

دور نبوی سے لیکر اب تک امت محمدیہ نے نقل قرآن میں مصاحف کے قلمی نسخوں پر اعتماد کرنے کی بجائے ہمیشہ اسے اپنے سینے میں محفوظ کرنے کا اہتمام کیا ہے اور قراءات عشرہ کے نقلی تواتر پر امت کا اجماع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی قراءت کو قبول کرنے کی جو بنیادی شرائط ہیں ان میں تواتر بنیادی ترین شرط ہے۔ علاوہ ازیں حضرت عثمانؓ کا مقصد بھی امت کو منقولہ قراءات پر جمع کرنا تھا۔ قاضی ابو بکر باقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ عثمانؓ کا میلان اور قصد قرآن کو دو تختیوں میں جمع کرنا نہیں تھا بلکہ متواتر اور ثابت قراءات کا جمع و تحفظ مقصود تھا جو پورا ہوا۔[۴۹]

حافظ ابو عمرو الدانی رحمہ اللہ کا قول ہے عثمانؓ اور ان کی جماعت نے باطل اور غیر معروف قراءات کی گنجائش کو مصحف سے نکال باہر کیا اور صرف منقول اور متواتر قراءات کو محفوظ کر دیا۔ مزید لکھتے ہیں کہ عثمانؓ کا یہ فعل اور قصد ابو بکرؓ کے قصد - قرآن کو دو گتوں میں محفوظ کرنے - کی طرح نہ تھا بلکہ یہ قراءاتِ ثابتہ کو جمع کرنا تھا۔[۵۰]

عثمانؓ نے قرآنی متن کو نقاط اور اعراب سے خالی رکھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ کا میلان اور رغبت لوگوں کو متواتر قراءات پر جمع کرنا اور منسوخ و شاذ قراءات سے چھٹکارا دلانا تھا۔[۵۱]

اگر عثمانؓ کا قصد توحید نصِ قرآنی ہوتا تو وہ مصاحف کو ایک ہی صورت میں لکھواتے اور ان کے مابین کوئی اختلاف بھی موجود نہ ہوتا۔ پس مختلف صورتوں اور متعدد کیفیات پر مصاحف کی کتابت، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت عثمانؓ نے توحید نصِ قرآنی کا ارادہ نہیں کیا بلکہ بطریقِ تواتر منقول قراءات پر لوگوں کو جمع کرنا مقصود تھا۔[۵۲] بالفرض اگر انہوں نے نص کو ایک کیا ہے تو یہ مروجہ قراءاتِ مختلفہ کیا ہیں؟

گولڈ زیہر (Ignaz Goldziher) نے اپنے دعویٰ (مصاحف کے غیر منقوط اور غیر معرب ہونے کے سبب قراءات وجود میں آئیں) کے اثبات کیلئے کچھ مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ اس ضمن میں اس نے کل نو مثالیں ذکر کی ہیں۔ چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

پہلی مثال سورۃ الاعراف کی آیت مبارکہ: ﴿وَنَادٰٓي اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ﴾[۵۳] کے متعلق لکھتا ہے کہ اس آیت مبارکہ کے کلمۃ ﴿تَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ کو بعض نے

"ثاء" کے ساتھ ﴿تَسْتَكْثِرُوْنَ﴾ قراءت کیا ہے۔[۵۴]

گولڈ زیہر کی ذکر کردہ یہ قراءت، قراءتِ متواترہ تو درکنار، شاذہ بھی نہیں ہے۔ یہ موضوع اور من گھڑت ہے۔ ڈاکٹر عبد الحلیم النجار اس کے بارے میں لکھتے ہیں: "لم تعتمد هذه القراءة فی القراءات السبع ولا الاربع عشرة،بل هي منكرة ولا يعرف على وجه التحديد من قرأ بذلك، وحسبك هذا دليلا على ان الخط لم يكن هو العمدة فی صحة القراءات"۔[۵۵]

دوسری مثال سورۃ الاعراف ہی کی آیت مبارکہ: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ﴾[۵۶] ہے جس کے متعلق لکھتا ہے کہ اس کے کلمہ ﴿بُشْرًا﴾ کی ایک اور قراءت ﴿نُشْرًا﴾ باء کی بجائے نون کے ساتھ ہے۔

مذکورہ دونوں قراءات ثابت ہیں، نون کے ضمہ اور سین کے سکون کے ساتھ ابن عامر کی سند کے ساتھ جو کہ قراء سبعہ میں سے ہیں۔ دونوں قراءات اپنے مفہوم میں قطعی ہیں، ان کے درمیان کوئی معنوی تعارض نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ دونوں روایات بطریق تواتر ثابت ہیں، نہ کہ صورت خطی کے ذریعہ سے۔[۵۷] اس سے تو گولڈ زیہر مسلمانوں کا مؤقف ثابت ہوتا ہے، نہ کہ گولڈ زیہر کا۔ الغرض یہی صورتحال دوسری مثالوں میں بھی ہے۔

نقط واعجام اور گولڈ زیہر کا نظریہ تحریف قرآن

گولڈ زیہر نے ذکر کیا ہے کہ نقط واعراب سے معریٰ ہونے کی بناء پر ہی کچھ لوگوں نے خاص مقاصد کے تحت قراءات گھڑی ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ: "قرآن کریم کے قبول عام متن کے خلاف متعدد قراءتوں کے باعث یہ خدشہ تھا کہ کہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف وہ فقرے نہ آجائیں، جو ان کے شایان شان نہ ہوں، یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لازمی احترام کے نقطہ نظر کے منافی ہوں"۔[۵۸]

گولڈ زیہر مصاحف کے نقط وحرکات سے خالی ہونے کو اختلاف قراءات کا سبب گردانتا ہے، اس کے بقول 'قراءات کے وجود میں آنے کی سب سے بڑی وجہ عربی خط کی خاصیت "نقط واعراب سے خالی ہونا" تھی۔ اسی وجہ سے ایک کلمہ کا رسم، مختلف صورتوں میں پڑھا جاتا ہے۔ قراءات مختلفہ کے وجود میں آنے کا یہی اولین سبب تھا۔[۵۹] گولڈ زیہر کا یہ دعویٰ درست نہیں کہ اختلاف قراءات کی بنیاد رسم الخط ہے۔ اس کی بنیاد وحی الٰہی ہے اور اس کا سلسلہ نبی کریم ﷺ تک متواتر ہے۔ اختلاف قراءت کی بنیاد پر تحریف قرآن کا نظریہ درست نہیں۔ متن قرآن میں کسی طرح کا تناقض یا اضطراب نہیں۔ ہاں البتہ روایات کا تنوع ضرور پایا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا موازنہ دیگر کتب سابقہ سے کرنا درست نہیں کیونکہ قرآن وحدیث کے دلائل اور خود یہود ونصاریٰ کے اعترافات سے یہ بات واضح ہے کہ ان کتب میں تحریف ہو چکی ہے۔ جبکہ قرآن کریم کسی بھی قسم کی تحریف سے پاک ہے۔ اختلافِ قراءات، اضطراب اور عدمِ ثبات کے قبیل سے نہیں بلکہ یہ سب قراءات ہمیں یقینی طور پر رسول اللہ ﷺ سے بطریقِ تواتر وصول ہوئی ہیں، اور ان میں سے ہر قراءت قرآن ہے۔

آرتھر جیفری (Arthur Jeffery)

آرتھر جیفری (Arthur Jeffery) آسٹریلوی نژاد امریکی مستشرق ہے، علوم القرآن پر متعدد مضامین (Articles) اور کتب تصنیف کیں۔ معروف ترین کتاب 'Materials for the History of the Text of the Qur'ān' ہے جو ابن ابی داؤدؒ کی

کتاب "کتاب المصاحف" کو بنیاد بنا کر لکھی گئی ہے۔ آرتھر جیفری (Arthur Jeffery) مستشرقین کے اس گروہ سے تعلق رکھتا ہے جنہوں نے خاص طور پر عربی زبان وادب، قرآنی متن اور قراءات قرآنیہ کو اپنی تحقیق کا محور بنایا۔[۶۰]

نقط واعرابِ مصحف اور آرتھر جیفری (Arthur Jeffery) کا زاویہ نگاہ

اعراب اور نقط مصاحف کے حوالے سے آرتھر جیفری (Arthur Jeffery) کے نظریات پر ہمیں گولڈ زیہر کی چھاپ نظر آتی ہے۔ کتاب المصاحف کے مقدمہ میں وہ ایک عنوان "خلو مصحف عثمان من النقط والشکل" کے نام سے قائم کرتا ہے، جس کے تحت وہ لکھتا ہے:

> حضرت عثمانؓ نے مختلف امصار میں جو مصاحف بھیجے تھے ان میں قراء نے بعض حروف میں اختلاف پایا۔ جیسے کوفی مصاحف میں (عملت) اور دوسرے مصاحف میں (عملته)۔ اسی طرح مصحف شامی میں (وبالزبر) اور دیگر میں (والزبر)۔ مصحف مدینہ اور شام میں (فلا) اور دیگر میں (ولا) اور اسی طرح کے دیگر اختلافات۔ یہ تمام مصاحف نقط وشکل سے خالی تھے، یہ قاری کی ذمہ داری تھی کہ وہ معنی کا لحاظ رکھتے ہوئے خود اعراب لگائے۔ اس کی مثال (یعلمه) جسے ایک (یعلمه) پڑھتا تو دوسرا (نعلمه) (تعلمه) یا تغلمه اور بعلمه وغیرہ کہ قاری حسب موقع معنی کی رعایت رکھتے ہوئے اسے پڑھتا۔ اس طرح ہر قاری کو حرف کی ادائیگی اور اعراب میں اختیار تھا۔ جیسا کہ قراءات کی کتب سے معلوم ہوتا ہے۔ قراء نے اس اختیار کو اس کثرت سے استعمال کیا کہ حضرت عثمانؓ کو اس پر پابندی لگانا پڑی۔ پھر بتدریج ہر علاقے میں عمومی اور کثرت سے پڑھی جانے والی قراءت کا رواج ہو گیا۔ لوگوں نے باقی قراءات کو چھوڑ کر اس کی اتباع کرنا شروع کر دی۔ پس قراءت اہل کوفہ، قراءت اہل بصرہ، قراءت اہل شام، قراءت اہل حمص، قراءت اہل مکہ اور قراءت اہل مدینہ اپنے اپنے علاقوں میں مشہور ہو گئی۔[۶۱]

مذکورہ عبارت میں آرتھر جیفری (Arthur Jeffery) نے حقائق کو پس پشت ڈالتے ہوئے بہت ہی لطیف انداز میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ مصحف عثمانیہ کے نقط واعرب سے خالی ہونے کی بناء پر قراءات مختلفہ نے جنم لیا۔ اس حوالے سے مندرجہ ذیل باتیں قابل غور ہیں:

عبارت کے الفاظ "فکان علی القاري نفسه ان ینقط ویشکل هذا النص علی مقتضی معنی الأیات" سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ نص قرآنی کی تلاوت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے الفاظ کی رعایت رکھنا ضروری نہیں۔ اگر آیت کے معنی قواعد عربی کی رو سے درست بنتے ہیں تو کسی بھی طرح تلاوت کی جاسکتی ہے۔ یہ مسلمانوں کے عقیدے کے بالکل خلاف ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا ایک ایک لفظ اور کلمہ رسول اللہ ﷺ سے بطریق تواتر ہم تک منقول ہیں۔ لہذا وہی الفاظِ تلاوت قابل قبول ہیں جن کی نبی کریم ﷺ نے خود تلاوت کی، امت کو سکھائی یا اس کی اجازت دی۔ اس کے علاوہ مقتضی حال کے مطابق اگر معنی درست بھی ہوں، لیکن نبی کریم ﷺ سے منسوب نہ ہو تو اس کی تلاوت جائز نہیں۔

قرآن کریم کی معنویت کے بارے میں بھی مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کے معنی بھی منزل من اللہ

ہیں۔ اور وہی معنی قابل قبول ہیں جو نبی کریم ﷺ نے سکھائے ہیں۔ ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ﴾ میں اس بات کو کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔ اگر بے نقط واعراب ہونے کی بنیاد پر کسی لفظ کا کوئی ایک معنی نکل رہا ہو، جو کہ درست بھی ہو اور رسم بھی اس کی اجازت دیتا ہو، لیکن نبی کریم ﷺ سے وہ منقول نہ ہو تو اس کا اعتبار نہیں۔ سورۃ الناس میں ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾۔[۶۲] میں لفظ (ملك) بغیر اعراب کے لکھا ہو تو ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ بمعنی بادشاہ اور ﴿مٰلِكِ النَّاسِ﴾ بمعنی لوگوں کا مالک دونوں طرح پڑھنے کا احتمال بھی ہے، رسم بھی اجازت دیتا ہے اور مقتضائے معنی کے اعتبار سے بھی درست ہیں۔ لیکن چونکہ نبی کریم ﷺ سے ایسا منقول نہیں ہے اس لئے مقتضائے معنی کے درست ہونے کے باوجود بھی اس طرح پڑھنے کی اجازت نہیں۔ اسی طرح سورۃ آل عمران میں سب ﴿مٰلِكَ الْمُلْكِ﴾ ہی پڑھتے ہیں، حالانکہ رسم میں ﴿مَلِكَ الْمُلْكِ﴾ کی گنجائش بھی ہے اور معنی کے اعتبار سے بھی درست ہے۔ قراء کو ان مقامات پر ایک ہی طریقے سے پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ مقتضائے معنی کی بنیاد پر نہ تو اعراب اور نقط کا مدار ہے، اور نہ ہی ایسا کیا جاتا رہا بلکہ یہ جہاں جہاں جیسے جیسے منقول ہے اور سنداً ہم تک پہنچا ہے صرف اسی طرح پڑھنا درست ہے۔

آرتھر جیفری نے ان الفاظ سے قراءات قرآنیہ پر بھی حملہ کیا ہے اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ یہ قراءات، مصاحف کے غیر منقوط ہونے کی وجہ سے وجود میں آئیں۔ حالانکہ اس ضمن میں دلائل سے واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ منزل من اللہ ہیں۔

آرتھر جیفری (Arthur Jeffery) نے (نعلمہ) کی مثال ذکر کی ہے اور اس کی متوقع قراءات (نعلمہ)، (یعلمہ)، (نعلمہ)، (تعلمہ) اور (بعلمہ) وغیرہ ذکر کی ہیں۔ جیفری کئی سال تک میونخ میں قرآن محل میں مصروف تحقیق رہا، جبکہ اس کا کام بھی قرآنی متن کی تحقیق ہی تھا، اس تحقیق میں انہوں نے ۴۲۰۰۰ نسخوں کا تقابلی جائزہ لیا، لیکن جیفری اس سب کے باوجود تجاہل عارفانہ سے کام لے رہا ہے، اور اس حقیقت کو چھپا رہا ہے کہ قرآنی متن میں کتنے ہی ایسے مقامات ہیں، جہاں رسم میں کسی لفظ کی گنجائش کے باوجود وہ کسی سے منقول نہیں ہوتا۔ خود آرتھر جیفری (Arthur Jeffery) نے کوئی ایسا مقام ذکر نہیں کیا جہاں صرف (نعلمہ) ہی منقول ہو اور کسی نے (بعلمہ) پڑھ لیا ہو۔ گذشتہ صفحات میں ایسی کئی مثالوں کا ذکر ہوا ہے جہاں احتمال کے باوجود صرف منقول قراءت پڑھنا ہی ثابت ہے۔

جمع و تدوین عثمانی سے بہت پہلے عرضہ اخیرہ گزر چکا تھا، جس میں بہت سی قراءتوں کو منسوخ کر دیا گیا تھا، صرف وہی قراءات باقی بچی تھیں، جن کو نبی کریم ﷺ نے باقی رکھا تھا، اور رسم عثمانی میں بھی ان کا لحاظ رکھا گیا تھا۔ آرتھر جیفری (Arthur Jeffery) نے ان تمام حقائق سے واقف ہوتے ہوئے، اور ضابطہ قراءت سے چشم پوشی اختیار کرتے ہوئے، محض روایتی ضد، عناد اور تعصب کی بناء پر ان الفاظ کو ذکر کیا جو مستشرقین کا روایتی طریقہ ہے۔ ابو الحسن علی ندویؒ مستشرقین کی اسی روش کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ومن دأب كثير من المستشرقين: انهم يعينون لهم غاية ويقررون فى انفسهم تحقيق تلك الغاية بكل طريق، ثم يقومون لها بجمع معلومات – من كل رطب ويابس – ليس لها أي علاقة بالموضوع، سواء من كتب الديانة والتاريخ، أو الادب والشعر، أو الرواية والقصص، أو المجون والفكاهة، وان كانت هذه المواد تافهة لا قيمة لها، ويقدمونها بعد

التمويه بكل جرأة، ويبنون عليها نظرية لا يكون لها وجود إلا في نفوسهم وأذهانهم.[۶۳]

آرتھر جیفری(Arthur Jeffery) نے اگرچہ اس طرز عمل کے اقرار کے اسی کو اپنایا ہے۔ اس کے الفاظ قابل ملاحظہ ہیں:

واما اهل التنقيب، فطريقتهم فى البحث ان يجمعوا الآراء والظنون والاوهام والتصورات باجمعها؛ ليستنتجوا - بالفحش والاكتشاف - ماكان مطابقا للمكان والزمان وظروف الاحوال معتبرين المتن دون الاسناد.[۶۴]

کتاب المصاحف کے مقدمہ میں صفحہ ۶ پر آرتھر جیفری(Arthur Jeffery) خود ایک عنوان "جمع عثمان الناس على حرف واحد" کے تحت حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کی مشہور روایت ذکر کرتا ہے، جس کے تحت حضرت حذیفہؓ آرمینیہ اور آذربائیجان کے محاذ پر مجاہدین میں اختلاف قراءت کے معاملہ پر آپس میں جھگڑا کرتے ہوئے دیکھا تو اس صورت حال سے گھبرا گئے۔ سیدھے مدینہ میں عثمانؓ کے پاس آئے اور کہا اے امیر المومنین! میں نے لوگوں کو قرآن میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف کرتے دیکھا ہے... اللہ کی قسم مجھے ڈر ہے کہ کہیں انہیں بھی وہ چیز نہ آلے جو اختلاف کی وجہ سے یہود و نصاریٰ کو آپہنچی تھی۔ جب اہل کتاب کی طرح یہ کہا جائے گا کہ یہ فلاں کی قراءت ہے اور یہ فلاں کی۔ آپ اس وقت کیا کریں گے لہٰذا اس سے پہلے کچھ کیجئے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے بارہ ہزار لوگوں کو جمع کیا اور ان سے پوچھا تمہارا کیا خیال ہے، پھر صحابہ کی باہمی مشاورت سے حضرت حفصہؓ سے مصحف منگوایا تاکہ اس سے مزید نقول تیار کی جاسکیں اور اس کو سامنے رکھتے جمع و تدوین کا عمل مکمل کیا۔[۶۵]

خلاصہ بحث

نقط و اعراب کے حوالے سے مستشرقین کے دو گروہ ہیں، آرتھر جیفری، گولڈ زیہر اور نولڈیکے کے نزدیک زمانہ نبوی اور خلفائے راشدین کے ادوار میں کتابتِ قرآن بے نقط و اعراب ہوتی تھی، جس سے قراءات وجود میں آئیں۔ جبکہ پاؤل کالے اور کارل وولرز کی رائے میں نقط و اعراب کا کام دور نبوی میں ہی مکمل ہو چکا تھا جبکہ بعد کے ادوار میں جان بوجھ کر، مصاحف کو نقط و اعرب سے خالی رکھا گیا۔

پاؤل کالے اور کارل وولرز کے نظریہ کی توثیق، نہ تو روایات سے ہوتی ہو اور نہ ہی قدیم عربی نقوش اور کتبات سے، بلکہ خود بعض مستشرقین جیسے نولڈیکے وغیرہ اس کی بالصراحت مخالفت کرتے ہیں۔ مستشرقین کے نقط و اعراب کے بارے میں یہ نقطہ ہائے نظر، بے بنیاد ہیں یا ضعیف اور موضوع روایات پر مبنی ہیں۔ مسلم سکالرز کی طرف سے ان کے دندان شکن جوابات دیے جاچکے ہیں۔ مستشرقین کی قرآن کریم کو، محرف، متناقض اور متضاد کتاب ثابت کرنے کی کوئی کوشش اب تک کامیاب نہیں ہوئی، بلکہ خود مستشرقین میں سے ہی بعض لوگ جیسے ولیم میور، مورس بوکائی، ٹی ڈبلیو آرنلڈ، وھیری اور وغیرہ اس کے غیر محرف اور محفوظ کتاب ہونے کے قائل ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

---

[۱] القرآن الکریم، سورۃ الحجرات، ۴۹: ۶

[۲] کھگہ، محمد فیروزالدین شاہ کھگہ. استشراقی نظریہ ارتقاء اور قراءات قرآنیہ. (ماہنامہ رشد لاہور، قراءات نمبر ۲) ط: ستمبر ۲۰۰۹ء، ص ۵۴۹

[۳] محیسن، محمد سالم. تاریخ القرآن. ط: ۲۰۰۲ء، دار محیسن للطباعۃ والنشر والتوضیع، قاہرہ، مصر

[۴] السیوطی، جلال الدین. الاتقان فی علوم القرآن. ط: المکتبہ التجاریہ الکبریٰ، قاہرہ، مصر، ۱/ ۶۱

[۵] السعید، لبیب. الجمع الصوتی الاول للقرآن. ط: ۱۹۶۷ء، دار الکاتب العربی لطباعۃ والنشر، القاہرہ، مصر، ص ۵۹، ۷۳

[۶] زرکشی، برھان الدین. البرہان فی علوم القرآن. تحقیق: ابو الفضل ابراہیم. ط: ۱۳۷۶ھ، دار احیا الکتب العربیہ عیسی البابی، مصر، ۱/ ۲۳۵

[۷] ابن الجزری. النشر فی القراءات العشر. ط: ندارد، مصطفی محمد، مصر، ۱/ ۳۳

[8] N.J. Dawood, The Koran, Middlesex (England: Penguin Books, 1983), p.10.

[۹] العقیقی، نجیب. المستشرقون. ط: ۱۹۶۵ء، دار المعارف، مصر، ص ۳۷۹

[۱۰] ایضاً

[۱۱] کھگہ، محمد فیروزالدین شاہ. اختلاف قراءت اور نظریہ تحریف قرآن. (شیخ زاید اسلامک سنٹر یونیورسٹی آف دی پنجاب لاہور). ط: ۲۰۰۶ء، ص ۱۶۵

[۱۲] تاریخ القرآن لنویلدکے ومابعد. ط: ۲۰۰۰ء، دار نشر، جورج المز، نیویارک، ص ۴۶۵

[۱۳] المرجع السابق صفحہ ۴۶۷ ومابعد

[۱۴] القرآن الکریم، سورۃ المنافقون: ۱۰

[۱۵] القرآن الکریم، سورۃ الاعراف: ۱۶۶

[16] Noldeke,Theoder,Geshichte des Qor'ans,p:1to3Gottingen 1860

[۱۷] الزرکلی، خیر الدین بن محمود بن محمد بن علی الدمشقی. الاعلام. ط: ۲۰۰۲ء، دار العلم للملایین، بیروت، ۵/ ۲۱۲؛ ۲۵/ ۱۸۴

[۱۸] عبد التواب، رمضان. فصول فی فقہ اللغۃ العربیہ. ط: ۱۹۹۹ء، مکتبہ الخانجی، القاہرہ، مصر، ص ۳۷۷-۳۷۸

[۱۹] المستشرقون، ۲/ ۴۴۰

[۲۰] فصول فی فقہ اللغۃ العربیہ، ۳۷۸

[۲۱] ایضاً، ص ۳۷۸

[۲۲] ایضاً، ص ۳۷۹

[۲۳] ایضاً، ص ۳۸۰

[۲۴] الزجاجی، ابو القاسم. الایضاح فی علل النحو. تحقیق: الدکتور مازن المبارک. ط: ۱۹۷۹ء، دار النفائس، بیروت، ص ۹۶؛ فصول فی فقہ اللغۃ، ۳۷۹

[۲۵] فصول فی فقہ اللغۃ العربیہ، ۳۸۰

[۲۶] کالے کا یہ مقالہ جرمن زبان میں ہے، ڈاکٹر رمضان عبد التواب نے اس کو عربی زبان میں نقل کیا ہے۔

[۲۷] فصول فی فقہ اللغۃ العربیہ، ۳۸۰-۳۸۱

[۲۸] ایضاً، ص ۳۸۱

Th.Noldeke,neue Beitrage zur semitischen Sprachwissenschaft,Strassburg 1910.w.r.t

[۲۹] ایضاً

[۳۰] حسین، محمد. المستشرقون والدراسات القرآنیہ. ط: ۱۹۹۹ء، دار المؤرخ العربی بیروت، لبنان، ص۳۰؛ حمودۃ، عبدالوھاب. القراءات واللھجات. ط: ۱۹۴۸ء، مطبعۃ السعادۃ، القاھرۃ، مصر، ص۷۷

[۳۱] الاعلام: ۸۴/۱؛ المستشرقون: ۳/ ۹۰۷

[۳۲] گولڈزیہر. العقیدۃ والشریعۃ فی الاسلام. ترجمہ: محمد یوسف موسیٰ، علی حسن عبدالقادر، عبدالعزیز عبدالحق. ط: ۱۹۵۹ء، دارالکتب الحدیثۃ، قاہرہ، ص۴

[۳۳] جولدزیہر. مذاہب التفسیر الاسلامی. مترجم الدکتور عبدالحلیم النجار. ط: ۱۹۵۵ء، مطبعۃ السنۃ المحمدیہ، قاہرہ، مصر، ص۴

[۳۴] بخاری، محمد بن اسماعیل. الجامع الصحیح: ط: ۱۹۹۰ء، الیمامہ للطباعۃ والنشر، دمشق، ۶/ ۱۸۴

[۳۵] القاضی، الشیخ عبدالفتاح عبدالغنی. القراءات فی نظر المستشرقین والملحدین. ط: ۱۴۰۲ء، دار مصر للطباعہ، ص۴۸

[۳۶] القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ ۲ :۴۸

[۳۷] القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ ۲ :۱۲۳

[۳۸] القرآن الکریم، سورۃ یسین ۳۶ : ۸۲

[۳۹] القرآن الکریم، سورۃ آل عمران ۳ : ۴۷

[۴۰] الکردی، طاہر. تاریخ القرآن وغرائب رسمہ وحکمہ. ط: ۱۳۶۵ھ، مطبوعہ معارف عامہ جدہ، السعودی عرب، ص۱۲۵-۱۲۶

[۴۱] القرآن الکریم، سورۃ الفاتحہ ۱ : ۳

[۴۲] القرآن الکریم، سورۃ آل عمران ۳ :۲۶

[۴۳] القرآن الکریم، سورۃ الناس ۱۱۴ :۲

[۴۴] اِسماعیل، شعبان محمد. رسم المصحف وضبط بین التوقیف والاصطلاحات الحدیثۃ. ط: ۱۴۴۴ھ، دار اسلام، قاہرہ، مصر، ص۵۷

[۴۵] القرآن الکریم، سورۃ بنی اسرائیل ۱۷ :۱۰۶

[۴۶] شلبی، عبدالفتاح اسماعیل. رسم المصحف والاحتجاج بہ فی القراءات. ط: ۱۹۶۰ء، مکتبہ النہضۃ المصریہ، قاہرہ، ص۳۵

[۴۷] القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ ۲ :۲

[۴۸] القرآن الکریم، سورۃ الحدید ۵۷ :۱۰

[۴۹] القراءات فی نظر المستشرقین والملحدین، ص۹۳

[۵۰] میر محمدی، ابراہیم. مکانۃ القراءات عند المسلمین. ط: جامعہ لاہور الاسلامیہ، لاہور، ص۲۹-۳۰

[۵۱] القراءات فی نظر المستشرقین والملحدین، ص۱۹-۲۰

[۵۲] ایضاً

[۵۳] القرآن الکریم، سورۃ الاعراف ۷ :۴۸

[۵۴] گولڈزیھر، مذاہب التفسیر الاسلامی، ص۹

[۵۵] گولڈزیھر، ھامش مذاہب التفسیر الاسلامی، ص۹

[۵۶] القرآن الکریم، سورۃ الاعراف ۷ : ۵۸

[۵۷] گولڈ زیھر، ھامش مذاہب التفسیر الاسلامی، ص۹

[۵۸] گولڈ زیھر، مذاہب التفسیر الاسلامی، ص۳۲۔۳۳

[۵۹] گولڈ زیھر، مذاہب التفسیر الاسلامی، ص۴؛ فراز، محمد سمیع اللہ. رسم عثمانی اور اس کی شرعی حیثیت. (شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی لاہور) ط:۲۰۰۷ء، ص۱۷۷۔۱۷۸؛ نیز اسی مضمون کی مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: کھگہ، اختلاف قراءت اور نظریہ تحریف قرآن، ص۲۴۰

[۶۰] اختلاف قراءت اور نظریہ تحریف قرآن، ص۲۴۰

[۶۱] السجستانی، ابن ابی داود ابو بکر، عبد اللہ بن سلیمان. کتاب المصاحف. ط: ۱۴۲۳ھ، دار البشائر، الاسلامیہ، بیروت ص،۷-۸

[۶۲] القرآن الکریم، سورۃ الناس ۱۱۴ :۲

[۶۳] الندوی، ابو الحسن علی. الاسلامیات بین کتابات المستشرقین والباحثین المسلمین. ط۲: ۱۴۰۳ھ، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ص۱۶

[۶۴] جیفری، آرتھر. مقدمہ کتاب المصاحف لابن ابی داؤد، ص۴

[۶۵] أبو الفضل، ابن حجر العسقلانی. فتح الباری. ط: ۱۳۷۹ء، دار المعرفہ، بیروت، ۹/ ۱۸